علیؑ ۔۔۔ آئینۂ سیرت نبیؐ

محترمہ تاج کلب صادق ایم اے، جوہری محلہ لکھنؤ

حضرت علیؑ کی شخصیت اسلام کی وہ شخصیت ہے کہ جس کی ذات میں فضائل، کمالات اور علوم کے دریا سمٹ سمٹ کر جمع ہوئے ہیں ۔ وہ تمام خصوصیات جو ذات پیغمبریؐ میں جمع تھیں سیرتِ علی ان تمام صفات کا آئینہ ہے اور اسی لئے میرا اپنا ذاتی نظریہ بغیر کسی تعصب کے یہی ہے کہ صفات و کمالات نبوت کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت علیؑ سے زائد کوئی شخص بھی رسولؐ کے خلیفہ ہونے کا مستحق نہیں تھا۔ یہ رائے صرف میری نہیں ہے بلکہ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ یہی رائے مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ کی بھی ہے ۔ چنانچہ موصوف نے ایک روز حضرت عبداللہ ابن عباس سے دوران گفتگو میں یہ فرمایا تھا کہ "**لقد کان علی فیکم اولی بھذا الامر منی ومن ابی بکر**۔

(محاضرات الراغب ج ۴، ص ۴۷۸)

یعنی یقیناً اس امر (خلافت) میں علیؑ مجھ سے اور ابوبکر دونوں سے بہتر تھے۔ موصوف نے اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کو خلافت نہ ملنے کے دو سبب ارشاد فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ حضرت علیؑ کی عمر کم تھی اور دوسرے یہ کہ ان کے مزاج میں کسی حد تک ظرافت تھی۔ صاحبان نظر خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ خلیفہ صاحب کی بیان فرمودہ ان دونوں کمزوریوں میں کتنی جان ہے گویا خدائی منصب بھی سن وسال کی قید سے ملتا ہے۔ تو پھر اگر عمر کا کم ہونا خلافت کے لئے عدم صلاحیت ہے تو پھر زیادہ عمر رکھنے والا بھی یقیناً اسی اصول کے تحت خلافت کے لئے ناموزوں قرار پائے گا۔ رہ گئی ظرافت تو ظرافت خود ذاتِ پیغمبری میں بھی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی جس کے لئے تاریخ اسلام کے متعدد واقعات شاہد ہیں اور جن کے پیش کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

رسولؐ کے بعد رسولؐ کی جانشینی کا مستحق کون تھا؟ وہ جس کو رسولؐ نے بنایا یا وہ جس کو مسلمانوں نے منتخب کیا، یہ ایک انتہائی اختلافی اور نازک مسئلہ ہے۔ جس پر دونوں طرف سے بلاشبہ ہزاروں کتابیں تصنیف کی گئیں ۔ رفتہ رفتہ اس مسئلہ نے اتنی شدت اختیار کرلی کہ اب یہ مسئلہ عقلی ہونے کے بجائے جذباتی نوعیت کا بن گیا ہے ۔ اس پر خطر وادی میں قدم رکھنا یقیناً بڑا نازک معاملہ ہے جہاں ذرا سی بات پر دوسرے کے جذبات کو ٹھیس لگ سکتی ہے۔ میرا اپنا ذاتی نظریہ یہ ہے کہ ایسے جذباتی اور نازک معاملات میں ہمیشہ اندازِ گفتگو ایسا ہو کہ دوسرے مخاطب بنیں مخالف نہیں ۔ تو آیئے اس موضوع کے بعض پہلوؤں پر انصاف کی روشنی میں غور کیا جائے۔

میرا مطالعہ بہت ہی محدود ہے لیکن میں پھر بھی پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ عربی زبان کی کوئی ایک لفظ بھی ایسی نہیں بتائی جاسکتی جس سے رسولؐ خلافت علیؑ کا اعلان کر سکتے ہوں اور پیغمبرؐ نے اس کو استعمال نہ کیا ہو۔ یہ کہا کہ "یہ میرا خلیفہ ہے۔" یہ فرمایا کہ "یہ میرا وصی ہے۔" یہ فرمایا کہ "یہ میرا ولی ہے۔" یہ فرمایا کہ "جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ مولا ہے۔" اور پھر جب الفاظ ختم ہوگئے تو مثالوں سے سمجھایا کہ "علی کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو سر کو جسم سے ہے۔" "علیؑ کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔" "میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔" وغیرہ وغیرہ ۔ یہ ساری حدیثیں جس طرح شیعہ کتابوں میں پائی جاتی ہیں اسی طرح اہل سنت کی کتابوں میں بھی

پائی جاتی ہیں۔ ان حدیثوں کو دیکھنے کے بعد ایک انصاف پسند ذہن یہ غور کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ اگر یہ تمام احادیث خلافت علیؑ کے اعلان کے لئے ناکافی تھیں تو پھر آخر وہ کون سا لفظ اور طریقہ ہوسکتا تھا کہ جس سے علیؑ کی خلافت کا اعلان پیغمبرؐ کی زبانی ہوتا۔ اور اسی لئے جب بعض لوگوں کی نظروں میں ان احادیث کو دیکھنے کے بعد اس بات کی گنجائش نہ رہ گئی کہ وہ اس بات سے انکار کرسکیں کہ پیغمبر کی مرضی خلافت کے بارے میں علیؑ ہی کے لئے تھی تو ان لوگوں نے اپنے کو ''حقیقت پسند'' بتاتے ہوئے خلافت کے بارے میں یہ نظریہ قائم کیا کہ خلافت علیؑ کا حق ہو بھی تو مصلحت وقت کا تقاضہ یہ تھا کہ پیغمبر کے بعد ان کو خلیفہ نہ بنایا جائے۔ ان حضرات کا فرمانا ہے کہ اسلام کی ہر جنگ میں علیؑ پیغمبر اسلام کے سینہ سپر رہتے تھے۔ بے انتہا شجاعت سے جنگ کرتے تھے، نامی گرامی پہلوان ہمیشہ علیؑ ہی کے ہاتھوں قتل ہوتے تھے، جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ اگر قبیلہ کا ایک آدمی قتل ہوجائے تو پھر انتقام اور انتقام کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا تھا۔ اسلام نے اپنی تعلیمات سے بہت کچھ سنبھالا تھا مگر وہ سیرت جو فطرتِ ثانیہ بن چکی ہو دھیرے دھیرے دوسرا اثر قبول کرتی ہے اس لئے بالکل مطابق فطرت تھا کہ عرب مسلمان ہونے کے بعد بھی علیؑ کی طرف سے ایک قسم کی خلش اپنے دل میں محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ علیؑ کو دیکھ کر ان کو اپنے وہ مقتول عزیز یاد آجاتے تھے جو جہاد حق میں علیؑ کی تلوار سے موت کے گھاٹ اتر گئے تھے۔ یہ لوگ اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہتے تھے مگر پھر بھی ان کا دل حضرت علیؑ کی طرف سے صاف نہ تھا۔ اس لئے اگر علیؑ کو خلیفہ بنا دیا جاتا تو خلافت کامیاب کیونکر ہوتی۔ لوگ اسی خلش کے سبب ذرا ذرا سی بات پر دائرہ اطاعت سے نکل جانے پر تیار ہوجاتے اور انتظامِ خلافت علیؑ کے بس سے باہر ہوجاتا جیسا کہ آنجناب کے زمانۂ خلافت میں دیکھنے میں بھی آیا، تو اس لئے اگرچہ تاریخ و حدیث پر نظر کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پیغمبر کی خواہش یہی تھی کہ حضرت علیؑ کو ان کا جانشین بنایا جائے مگر مصلحت وقت اس کے خلاف تھی اور علیؑ کی خلافت یقینا اسلام کے لئے مفید ثابت نہ ہوئی۔

یہ بات بظاہر دل کو لگتی معلوم ہوتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ ہم اس کو مان بھی لیں تو اس کے لازمی نتیجہ پر نظر کرنے کے بعد یہ ''حقیقت پسند'' لوگ خود شاید اپنے اس نظریہ کو تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوں۔

یقینا یہ خیال درست ہے کہ انسان کا اپنے عزیزوں اور دوستوں کے قاتل کے لئے ایک جذبۂ عناد رکھنا مطابق فطرت ہے۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی مطابق فطرت ہے کہ اگر یہ قاتل کسی دوسرے کے حکم سے قتل کرے اور خون بہائے تو اس کی حیثیت ضمنی قرار پائے گی اور اصل دشمنی اس حکم دینے والے کے لئے ہوگی۔ اگر ایک شخص حاکم کے حکم سے کسی کو پھانسی پر چڑھا دے تو اس کے وارثوں کی دشمنی اس شخص سے نہ ہوگی بلکہ حکم دینے والے حاکم سے ہوگی۔ تو قابل غور بات یہ ہے علیؑ میدان جہاد میں خود آتے تھے اپنی کسی ذاتی مصلحت کے سبب سے یا پیغمبر اسلام کے حکم سے اسلام کا راستہ صاف کرنے کے لئے۔ تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ حکمِ خدا اور رسولؐ تھا جو علیؑ کو میدان جنگ میں بھیجتا تھا۔ اور یہ صرف نصرت اسلام تھی جو غرضِ جنگ ہوتی تھی یعنی علیؑ کی دشمنی علیؑ کی ذات تک محدود نہیں رہے گی۔ بلکہ دراصل دشمنی ہوگی خدا کی رسولؐ کی اور اسلام کی اور علیؑ کی حیثیت تو ضمنی قرار پائے گی جو محض خدا اور رسولؐ کے حکم سے میدان جہاد میں آتے تھے۔

اگر یہ حضرات اس نتیجہ کو تسلیم کئے لیتے ہیں تو پھر بیشک ہمارا ہر شکوہ غلط قرار پاتا ہے کیونکہ ان لوگوں کا جب دشمنان خدا و رسولؐ ہونا تسلیم کرلیا تو ظاہر ہے کہ یہ وہی بات کریں گے جو ان کے مطلب کے موافق اور خدا اور رسولؐ کے مقصد کے مخالف ہو۔

بہرحال اتنا ہی غنیمت ہے کہ ان لوگوں نے یہ تو سمجھ لیا کہ پیغمبرؐ کی مرضی کیا تھی تو اب بعد رسولؐ، اسلام میں جو کچھ بھی ہو وہ مصلحت وقت کے موافق ہو یا مخالف مگر اتنا ہے کہ بہرحال رسولؐ

کی مرضی کے خلاف تھا۔ اب یہ مسلمان خود بہتر طور پر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اسلام کی مصلحتوں کو خود رسول بہتر سمجھ سکتے تھے یا مسلمان۔ یقیناً اگر بعد رسول مسلمانوں نے علیؑ ہی کو جانشینِ رسول تسلیم کر لیا ہوتا تو خلفاء اسلام کے ہاتھوں اسلام کی وہ گت بنتی ہوئی نظر نہ آتی جس کو دیکھ کر آدمی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

بعض دیگر حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اگر علیؑ ابن ابی طالبؑ انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں تمام کاروائیوں سے مطمئن نہ ہوتے تو اپنے حق کا مطالبہ کیوں نہ کرتے؟

یہ عجیب وغریب بات کہی جاتی ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ ''مطالبہ'' کا مقصد کیا ہے۔ اگر مطالبہ کا مقصد ہے زبانی احتجاج، تو دنیا کا کون وہ تاریخ اسلامی سے ذرا بھی واقفیت رکھنے والا شخص ہوسکتا ہے جو ان ۔۔۔۔ احتجاجوں کا جو وقتاً فوقتاً زبانِ علیؑ پر آئے انکار کردے۔ رہ گیا تلوار کیوں نہ کھینچی اور بزور شمشیر اپنے کو خلیفہ رسولؐ کیوں نہ منوالیا تو اس کا جواب خود حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے اپنے خطبہ میں دیا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

''خدا کی قسم مجھے طلب حق سے نہ بزدلی نے روکا تھا نہ موت کے خوف نے بلکہ مجھے میرے بھائی رسولؐ خدا کے اس عہد نے روکا تھا کہ علیؑ میری امت تم سے غداری کرے گی، میرے عہد کو توڑے گی جب کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ میں نے پوچھا کہ اس صورت حال میں مجھ پر کیا فریضہ عائد ہوگا تو ارشاد فرمایا کہ اگر تم کو واقعی انصار و مددگار مل جائیں تو نکل آنا اور جہاد کرنا اور اگر مددگار نہ ہوں تو ہاتھ روکے رکھنا۔ یہاں تک کہ تم مظلوم بن کے مجھ سے ملاقات کرو۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے اس طرزِ عمل کی قرآن مجید میں گذشتہ سات پیغمبروں کی سیرت میں مثالیں ملتی ہیں۔ پہلے حضرت نوحؑ۔ آپ نے قوم کے مظالم سے تنگ آکر ارشاد فرمایا (رب انی مغلوب فانتصر) پروردگارا! میری قوم نے مجھے دبالیا تو ہی میری مدد فرما۔

دوسرے حضرت ابراہیمؑ۔ جب آپ نے ارشاد فرمایا۔ **(وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ)** میں تم کو بھی تمہارے حال پر چھوڑتا ہوں اور ان کو بھی جن کو تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو۔

تیسرے حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد بھائی حضرت لوطؑ جب کہ آپ نے ارشاد فرمایا **(لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِكُمۡ قُوَّةً اَوۡ اٰوِیۡۤ اِلٰی رُكۡنٍ شَدِیۡدٍ)** اے میری قوم والو! کاش کہ یا مجھے تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی اور یا پھر میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ ہی لے لیتا۔

چوتھے حضرت یوسفؑ۔ کہ آپ نے ارشاد فرمایا **(رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡهِ)** پروردگارا مجھے اس بدکاری سے جس کی طرف مجھے یہ لوگ بلاتے ہیں قیدخانہ زیادہ پیارا ہے۔

پانچویں حضرت موسیٰؑ آپ کو یہ فرمانا پڑا **(فَفَرَرۡتُ مِنۡكُمۡ لَمَّا خِفۡتُكُمۡ)** پس میں جب تم سے خائف ہوا تو تم کو چھوڑ کے چلا گیا۔

چھٹے حضرت ہارونؑ کہ آپ کا ارشاد تھا۔ **(ان القوم استضعفونی)** اے میرے بھائی قوم نے مجھے کمزور بنا دیا تھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کردے۔

ساتویں خود حضرت پیغمبرؐ خدا کہ آپ کو مکہ سے غار کی طرف ہجرت فرمانا پڑی تھی۔''

امیرالمومنینؑ کا انصاف پسندوں کے لئے یہ جواب سکوت بخش بھی ہے اور سکون بخش بھی اعتراض کرنے والوں کی دلیل یہی تھی کہ خواہ کچھ بھی ہوتا حضرت علیؑ کو طلبِ حق کے لئے کھڑے ہوجانا چاہئے تھا۔ حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسالتمآبؐ کی اس بارے میں کھلی ہوئی ہدایت موجود تھی کہ مددگار موجود ہوں تو تلوار کھینچی جائے ورنہ نہیں۔ پھر شاید آپ کو یہ خیال ہوا کہ کج دل اور کج فہم لوگ میری صداقت کے بارے میں شاید شکوک پیدا کردیں اس لئے آپ نے قرآن مجید کی آیتوں کی روشنی میں ان سات معصوم پیغمبروں کے طرزِ عمل کو بطور نمونہ پیش فرمایا جن کو

اپنی تبلیغی زندگی میں لگ بھگ اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا جو بعد پیغمبر علیؑ ابن ابی طالبؑ کے سامنے آئی تھی ۔ ان تمام انبیاء کی سیرت سے قرآن مجید کی روشنی میں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جب قوم نے مدد نہ کی اور مددگار نہ ملے تو یا تو ان معصوم ہستیوں نے اپنی امت سے حالات کے سازگار ہونے تک کنارہ کشی اختیار فرما لی یا کم از کم اپنی اس کنارہ کشی کی تمنا کو بارگاہ ایزدی میں دعا کی شکل میں پیش فرمایا۔

سیرت انبیاء سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ نمائندگان الٰہی کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا کہ اگر بات سننے والے نہ ہوں، مددگار نہ ہوں تو وہ بھی امت کو اس کے حال پر چھوڑ کر کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں ۔ پھر کیا ہے کسی مسلمان میں یہ طاقت کہ وہ اس علاحدگی کو منصب نبوت سے علاحدگی قرار دے؟

جس طرح رسول خداؐ نے علیؑ سے یہ عہد لیا تھا کہ مددگار ہوں تو تلوار کھینچنا ورنہ صبر کرنا اسی طرح خود خدا نے پیغمبرؐ سے یہ عہد لیا تھا کہ انصار ہوں تو تلوار کھینچی جائے ورنہ صبر کیا جائے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ پیغمبرؐ کے عہد نامہ کو ایک باقاعدہ شکل حاصل تھی اور خدا کا پیغمبر سے عہد نامہ قرآن مجید کی مختلف آیات کو جوڑ دینے سے بن جاتا ہے۔قرآن مجید میں کچھ آیتیں وہ ہیں جن میں تلقینِ صبر کی گئی ہے۔

جیسے "**فاصبر وما صبرك الذی باللہ** ۔" **فاصبر علیٰ مایقولون**۔ وغیرہ اور کچھ وہ ہیں جن میں جہاد و قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے "**جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْن**۔" اور "**قاتلوهم یعذبهم اللہ بایدیکم** "وغیرہ

ادنیٰ غور سے ہی یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ تلقین صبر والی آیتوں کا اس زمانے سے تعلق ہے جب مددگار نہ تھے اور تلقین جہاد والی آیتوں کا تعلق اس زمانے سے ہے جب کچھ نہ کچھ مددگار مل گئے تھے ۔علیؑ کی سیرت بھی سیرت نبیؐ کا آئینہ تھی پیغمبرؐ نے اعلان نبوت کیا مگر مکہ میں مددگار نہ تھے ۔تو تلوار نہ کھینچی مدینہ میں انصار ملے جن میں بہر حال کچھ پر خلوص بھی تھے تو تلوار کھینچ لی، علیؑ کو مدینہ میں انصار نہ ملے تو زبانی احتجاج پر اکتفا کی اور جب جمل، صفین اور نہروان میں مددگار مل گئے جن میں کچھ واقعی خلوص کے حامل تھے تو تلوار کھینچ لی ۔ نبیؐ کا خاموش رہنا بھی اسلام کے لئے اور تلوار کھینچنا بھی اسلام کے لئے، علیؑ کا تلوار نہ کھینچنا بھی اسلام کے لئے تھا اور تلوار کھینچنا بھی اسلام کے لئے ۔

(ماخوذ از سرفراز رجب نمبر ۱۹۸۸ء صفحہ نمبر ۸۹)

✿✿✿

حمد خدائے دوجہاں

محترمہ ندیٰ الہندی

خلاق جہاں میں بھی تری خلقت ہوں
تیری نگہہ لطف سے باعزت ہوں

تیرا ہی کرم ہے کہ مکرم ہوں میں
ہے رحم ترا یہ کہ بصد شوکت ہوں

ہر صبح و مسا تیرے، پیمبرؐ کے ترے
زیرِ کرم و مرحمت و رحمت ہوں

تیرے ہی نمائندوں کی مدحت کے طفیل
مشہور جہاں، معتبر خلقت ہوں

احمدؐ کی نواسیوں کی، بیٹی کی قسم
پردے ہی میں رہ کر تو میں باعظمت ہوں

✿✿✿